سفرنامۂ پاکستان

اسلام آباد میں

(۱۳)

سعید احمد اکبرآبادی

اسلام آباد پہونچا تو ایرپورٹ پر پروفیسر سعید الدین ڈار موجود تھے، باہر نکل کر وہ ٹیکسی کرنے لگے تو مجھے تعجب سا ہوا۔ وہ فوراً سمجھ گئے اور بولے: میری جاپانی کار جو بالکل نئی تھی ابھی پرسوں چوری ہو گئی ہے۔ اور وہ بھی کہیں سڑک پر یا بازار میں نہیں بلکہ شب میں میرے گیراج میں سے جو حسب معمول مقفل تھا۔ معلوم ہوا یہاں کار کی چوری ایک عام بات ہے سرحد قریب ہے۔ چور کار لیکر قبائلی آزاد میں گھس جاتے ہیں اور ہاتھ نہیں آتے، پلیٹ کا نمبر بدل کر افغانستان میں اسمگل کر دیتے ہیں۔

بہر حال ٹیکسی میں پروفیسر سعید الدین ڈار کے بنگلہ پر آیا۔

پروفیسر سعید الدین ڈار

موصوف سے میرے عزیزانہ تعلقات ہیں وہ اور میاں اسلم دونوں ہم جماعت اور ایک دوسرے کے بہت گہرے دوست رہے ہیں۔ دونوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایک ساتھ ہی ایم۔ اے کیا تھا۔ مضمون بھی یعنی تاریخ دونوں کا ایک ہی تھا اور غالباً ڈویژن بھی ایک۔ اس کے بعد اسلم انگلینڈ چلے گئے اور ڈار صاحب پاکستان کی سول سروسز کے مقابلہ کے امتحان میں بیٹھے اور کامیاب ہوئے جب سنہ۶۶ء میں میں اسلام آباد آیا تھا تو اس وقت یہ وزارت خارجہ میں جوائنٹ سکریٹری یا ڈپٹی سکریٹری تھے اور ایک فلیٹ میں رہتے تھے اور میں ان کے ساتھ اسی

فلیٹ میں ایک ہفتہ ٹھہرا تھا موصوف اون لوگوں میں سے ہیں۔ جن کو قوم کے (IDEAL PERSONS) یعنی مثالی اشخاص و افراد کہنا چاہئے۔ نہایت لائق و قابل اور فاضل، بے حد ذہین، سنجیدہ، متین اور پھر عقیدہ و عمل کے اعتبار سے، بڑے پکے اور سچے مسلمان، نماز روزہ اور روزانہ تلاوت کلام مجید کے پابند، یہاں تک کہ باقاعدہ شرعی ڈاڑھی بھی جو پاکستان کے اعلیٰ افسروں میں خال خال ہی نظر آئے گی، اپنے خاص فن کے علاوہ اسلامیات کا بھی بڑا اچھا مطالعہ رکھتے ہیں۔ بات بڑی جچی تلی کہتے اور الفاظ ناپ تول کر بولتے ہیں۔

پہلے جب آیا تھا تو یہ مجرد تھے اور ایک ملازم کے ساتھ تنہا رہتے تھے۔ میں نے اوس وقت اون سے کہا تھا کہ آپ جوان صالح اور راسخ العقیدہ مسلمان ہیں اس لئے تعجب ہے کہ آپ نے اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "النکاح من سنتی" پر عمل نہیں کیا۔ بولے: میرا نکاح عنقریب ہونے والا ہے۔ آپ دوبارہ اسلام آباد آئیں گے تو میرا گھر آباد دیکھیں گے۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ پہلے وہ ایک فلیٹ میں رہتے تھے اب ایک شاندار دو منزلہ بنگلہ میں رہتے ہیں اور صاحب اہل و عیال ہیں۔ اللہ نے انھیں دلہن بھی ایسی دی ہے کہ باید و شاید، سیرت اور صورت دونوں میں انتخاب، نہایت مہذب شستہ اور شائستہ، اسلام کی دلدادہ و فریفتہ برسوں امریکہ میں رہنے اور وہاں کولمبیا یونیورسٹی سے سائیکلوجی میں ایم۔ اے کرنے کے باوجود طور طریق اور عادات و خصائل سب مشرقی ہیں، اردو بڑی شگفتہ اور نستعلیق بولتی ہیں گفتگو سنجیدگی اور متانت سے کرتی ہیں۔ میری ان کی یہ دید ملاقات پہلی تھی۔ مگر وہ اس طرح پیش آئیں کہ گویا میں انہیں کے خاندان کا کوئی بزرگ ہوں۔

علاوہ ازیں ڈار صاحب پہلے وزارتِ خارجہ میں تھے، لیکن اب انھوں نے

خدمات اسلام آباد یونیورسٹی کی طرف منتقل کرالی ہیں جہاں وہ بین الاقوامی روابط کے پروفیسر اور صدر شعبہ ہیں۔

اسلام آباد یونیورسٹی میں | صبح یعنی ۲۵ مارچ کو ناشتہ سے فارغ ہوکر مولانا کوثر نیازی کو فون کیا۔ اون سے ملاقات ضروری تھی کیونکہ آپ کو یاد ہوگا۔ پشاور سے کراچی جاتے ہوئے ہوائی جہاز میں جاتے ہوئے انھوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ ہندوستان کے لئے روانگی سے پہلے میں اسلام آباد آؤں گا اور اون سے ملونگا لیکن معلوم ہوا کہ امام حرم کعبہ وطن واپس جارہے ہیں اور مولانا اون کو الوداع کہنے کراچی گئے ہیں۔ کل واپس آجائیں گے اس لئے میں نے پروفیسر ڈار کے ساتھ اسلام آباد یونیورسٹی جانے کا پروگرام بنا لیا۔ ہم ہندوستانیوں کے ساتھ ایک بیخ یہ بھی ہے (جیسا کہ پاکستانیوں کے ساتھ ہندوستان میں ہے) کہ جس شہر میں جائیے فوراً پولس میں رپورٹ کیجئے کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ یہاں کس جگہ مقیم ہیں اور کب تک قیام کریں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس پابندی کی وجہ سے مجھکو بڑی ذہنی اذیت اور کوفت ہوتی سیرت کانفرنس کے تمام مندوبین میں صرف ہندوستان کے مندوبین کے لئے یہ قانون تھا اس سے بڑی ذلت کا احساس ہوتا تھا۔ لیکن کیا کیجئے "ایسے کو تیسا" (Tit for tat) یا "دنّاهم كما دانوا" کا معاملہ ہے اسی لئے انگیز کرنا ہوتا تھا۔ اور قانون کی پابندی میری فطرت میں ہے، اس لئے میں نے کبھی اس میں تساہل نہیں برتا۔ چنانچہ سب سے پہلے کام یہی کیا کہ ڈار صاحب نے پولس ہڈکوارٹر میں رپورٹ درج کرائی، پھر واپسی کے لئے ہوائی جہاز کے بکنگ آفس میں رزرویشن کرایا اور یہاں سے فارغ ہوکر ٹکسی سے ہم دونوں یونیورسٹی پہونچے۔

یونیورسٹی دیکھکر جی خوش ہوگیا۔ نہایت شاندار اور خوبصورت عمارت

ہے۔ کراچی اور لاہور کی یونیورسٹیوں کی طرح زیادہ پھیلی ہوئی اور وسیع نہیں ہے ہمارے یہاں جواہر لال نہرو یونیورسٹی کی طرح اس کا مقصد بعض خاص خاص مضامین میں تخصص کرنا ہے ادھر ادھر پہاڑیوں کے منظر نے اس میں اور لطف پیدا کر دیا ہے۔ پوری عمارت سنگ سرخ کی اور مغل طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ یونیورسٹی میں داخل ہوکر ہم سیدھے پروفیسر سعید الدین ڈار کے کمرے میں جو ان کا آفس ہے آئے۔ انھوں نے کافی منگوائی ابھی ہم اس کا شغل کر رہی رہے تھے کہ ایک محترمہ کمرہ میں داخل ہوئیں اور بے تکلفی سے ایک کرسی پر بیٹھ گئیں ڈار صاحب نے اون کا تعارف کرایا تو معلوم ہوا کہ ان کا نام عاصمہ رشید ہے اور یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کے شعبہ کی صدر اور (غالباً) پروفیسر بھی ہیں۔ ڈار صاحب نے اون سے جب میرا تعارف کرایا تو انھوں نے اس طرح سنا کہ گویا پہلے سے تھوڑی بہت واقف ہیں، انھوں نے اس ملاقات پر اظہار مسرت کیا اور ڈار صاحب سے کہنے لگیں۔ یہ بڑا اچھا موقع ہے، طلبا اور طالبات سب جمع ہیں۔ اکبرآبادی صاحب کی تقریر کا اعلان کئے دیتی ہوں۔ میں نے گھڑی دیکھی تو بارہ بج چکے تھے اور میں ہرگز تقریر کرنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لئے میں نے ڈار صاحب کی طرف اس انداز سے دیکھا کہ وہ میرا مطلب سمجھ گئے اور انھوں نے آنمحترمہ سے میری طرف سے معذرت کر دی اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد ڈار صاحب کو اون کے کمرہ میں چھوڑ کر میں یونیورسٹی کی لائبریری دیکھنے چلا گیا۔ ایک گھنٹہ وہاں رہا۔ اپنے ذوق کی چند کتابیں دیکھیں لائبریری کچھ زیادہ بڑی نہیں ہے۔ ابھی ابتدائی مرحلہ میں ہے۔ البتہ یونیورسٹی میں جن مضامین کی خصوصی تعلیم ہوتی ہے اون پر قدیم و جدید کتابوں کا بڑا اچھا ذخیرہ ہے۔ ڈیڑھ دو بجے کے قریب گھر واپس جانے کے لئے ٹیکسی کے پاس آئے تو طلبا اور طالبات کا ایک خاصہ

مجمع باہر کھڑا ہوا تھا۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو سلام کیا اور پھر وہی تقریر کی فرمائش! ڈاکٹر صاحب نے خوش اسلوبی سے معذرت کر دی۔ گھر پہونچ کر کھانا کھایا۔ نماز پڑھی اور حسب عادت قیلولہ کیا، ہوتے ہوتے شام ہو گئی، ڈاکٹر صاحب کی کار چونکہ جا چکی تھی ٹیکسی آسانی سے اور ہر وقت اور ہر جگہ ملتی نہیں۔ اس لئے اگرچہ اسلام آباد میں اپنے کئی دوست بھی ہیں اور شاگرد بھی مگر کہیں نہیں جا سکا۔ گھر پر ہی سارا وقت گذار دیا۔

مولانا کوثر نیازی سے الوداعی ملاقات

دوسرے دن صبح کو ٹیلیفون کیا تو معلوم ہوا کہ ہاں مولانا دس بجے کے قریب کراچی سے واپس آرہے ہیں۔ آتے ہی اون کو میری آمد کی اطلاع کر دیجائے گی اور جو وہ فرمائیں گے اوس سے مطلع کر دیا جائیگا چنانچہ گیارہ بجے کے قریب مولانا کا فون آیا کہ آج نیشنل اسمبلی کا اجلاس ہے، صبح کے سشن میں اون کی شرکت اس لئے ضروری ہے کہ اون کی وزارت سے متعلق چند امور و مسائل زیر بحث آرہے ہیں۔ البتہ سہ پہر کے اجلاس میں مجھ سے ملاقات کے لئے شریک نہیں ہوں گے۔ اور چار بجے کا وقت ملاقات کے لئے مقرر ہو گیا۔

ٹیکسی ملنے میں ذرا دقت ہوئی مگر خیر، ٹھیک وقت پر پہونچ گیا۔ کوٹھی پر وہ سب کچھ تھا جو ایک وزیر کی رہائش گاہ پر ہونا چاہئے، مولانا میرا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی اطلاع ہوئی فوراً شلوار اور قمیص میں باہر نکل آئے، بڑے تپاک سے ملے اور ازراہ بے تکلفی اور غالباً میرے مذاق کی رعایت سے بھی ڈرائنگ روم کے بجائے میرا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنی لائبریری میں آکر بیٹھ گئے، میں نے لائبریری پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ایک وسیع کمرہ تھا جو اوپر نیچے، ادھر ادھر کتابوں سے پٹا پڑا تھا۔ مگر کتابیں ترتیب سے مضمون وار رکھی ہوئی تھیں۔ دروازہ کے قریب ایک بڑی میز لکھنے پڑھنے کے لئے مع چند عدد کرسیوں کے رکھی ہوئی تھی۔ اور ہم دونوں یہیں

بیٹھے تھے، میں نے پوچھا: مولانا آپ برہان تو از راہ قدردانی پابندی سے پڑھتے رہے ہیں اور اسے عزیز بھی رکھتے ہیں، لیکن آپ نے میری کوئی کتاب بھی ملاحظ فرمائی ہے مولانا نے تپاک سے لائبریری کے ایک خاص گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: کیوں نہیں! یہ دیکھئے آپ کی سب تصنیفات وہ رکھی ہوئی ہیں، اور صرف آپ کی نہیں بلکہ ندوۃ المصنفین کی، پھر فرمایا: آپ کی سب کتابیں مجھے پسند ہیں لیکن صدیق اکبر تو میرے نزدیک تاریخ اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے، اسے میں کئی مرتبہ پڑھ چکا ہوں، سبحان اللہ! کیسی عجیب کتاب لکھی ہے۔ آپ نے حضرت حق تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائیں، اس کے بعد مولانا نے پوچھا "یہاں پاکستان میں آپ کے رشتہ دار کتنے ہیں؟ میں نے کہا: یوں تو میری ننھیال۔ ددھیال، سسرال اور سمدھیانہ کے میرے رشتہ دار ماشاء اللہ یہاں بڑی تعداد میں ہیں مگر میری اولاد میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا یہاں ہیں باقی سب میرے ساتھ ہیں۔ مولانا نے از راہ محبت دریافت کیا، آپ کی جو اولاد یہاں ہے وہ کس حال میں ہے؟ میں نے کہا: الحمد للہ دونوں لڑکیاں اپنے گھر بہت خوش اور مطمئن ہیں، اون کے شوہر اعلیٰ تعلیم یافتہ، نہایت قابل اور سعادتمند ہیں، حکیم سقراط نے خوب کہا ہے کہ اگر تم کو اچھا داماد ملے تو سمجھو کہ بیٹا ملا اور اگر داماد برا ہو تو سمجھو کہ بیٹی بھی ہاتھ سے گئی۔ اس اعتبار سے یہ دونوں داماد میرے لئے واقعی بمنزلۂ اولاد کے ہیں، مجھکو اون سے اور اون کو مجھ سے ایسی ہی محبت اور تعلق خاطر ہے، اور میرے چھوٹے داماد اسلم جو ہندوستان اور پاکستان کے علمی اور ادبی حلقوں میں مشہور اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں صدر شعبۂ تاریخ ہیں اون کو تو آپ جانتے بھی ہوں گے۔ اب رہا لڑکا جس کا نام جنید احمد ہے، یہ سابق مشرقی پاکستان میں یونائیٹیڈ بنک آف پاکستان میں جونیر آفیسر تھا۔ لیکن وہاں قیامت برپا ہوئی تو یہ ملازمت سے استعفا دیکر جان بچاکے بھاگا اور کراچی آ گیا یہاں اوس نے

بہت کوشش کی کہ دہی بنک کی ملازمت مل جائے لیکن کامیابی نہیں ہوئی تو آخر مجبور ہو کر ایک کمپنی میں نوکری کرلی ہے۔ مگر اس سے نہ میں مطمئن ہوں اور نہ وہ، اس پر مولانا نے کہا: آپ جنید کو لکھدیجئے کہ اب میں کراچی جاؤں تو وہ مجھ سے وہاں ملے، میں کوشش کروں گا کہ اس کو بنک کی وہی جگہ مل جائے جس پر وہ کام کررہا تھا یا کوئی اور گورنمنٹ سروس مل جائے میں نے مولانا کا شکریہ ادا کیا اور مولانا نے جنید کا نام وغیرہ اپنی نوٹ بک میں لکھ لیا۔

اس کے بعد مولانا نے گردن کو ذرا بل دیتے ہوئے فرمایا۔ آپ کی یہ اولاد پاکستان میں ہے اور آپ ہندوستان میں! یہ کیسے؟ کیا آپ نے کبھی پاکستان آنے (یعنی رہنے کے لئے) کا خیال نہیں کیا؟ اس کے معاً بعد فرمایا، "اسلامک ریسرچ انسٹیوٹ، اسلام آباد" میں ڈائرکٹر کی جگہ خالی ہے تین ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ ہے، وہ میں آپ کو پیش کرتا ہوں، آپ ہاں کرلیجئے میں ابھی آپ کو تقرر نامہ دیئے دیتا ہوں۔ یا "دارالفکر الاسلامی" کے نام سے ہم ایک بہت بڑا ادارہ لاہور میں قائم کررہے ہیں آپ اس کے ڈائرکٹر ہو جایئے اس کی تنخواہ بھی یہی ہوگی، آپ کو اختیار ہے، اسے قبول کیجئے یا اسے میں نے ضمیم قلب سے مولانا کی محبت اور ان کی قدردانی کا شکریہ ادا کیا اور کہا تقسیم کے نتیجہ میں ہندوستان کے مسلمانوں پر جو قیامت گذری اس نے بڑے بڑے شیردل اور بہادر مسلمانوں کے پاؤں اکھیڑ دیئے اور وہ بدحواس ہوکر اپنے باپ دادوں کے پرانے وطن کو خیرآباد کہہ گئے، اس شورش اور ہنگامہ میں میرا گھر بھی لٹ گیا تھا۔ جانیں سلامت رہیں۔ بس یہی غنیمت ہے، ورنہ اثاثہ بیت مال و متاع کچھ باقی نہ رہا تھا۔ ان حالات سے گھبرا کر اگر میں بھی پاکستان پہونچ جاتا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہاں میرے لئے ترقی کے بہتر سے بہتر مواقع تھے اور حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات لکھکر مجھکو پاکستان آنے کی دعوت بھی دی تھی۔ لیکن جب میں نے فیما بینی

و بین اللہ اس مسئلہ پر غور کیا تو ضمیر نے کہا کہ جب دو بھائیوں میں سے ایک بھائی خوشحال مطمئن اور پرسکون ہو اور دوسرا بھائی زبوں حال، پریشان اور پراگندہ خاطر ہو تو حمیت و غیرت اور شیوۂ مردانگی کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسرے بھائی کا ساتھ دیکر اوس کی ہمت بندھائے اور اوس کے حالات کی اصلاح کی کوشش کی جائے، میں نے مزید کہا: مولانا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ روپیہ پیسہ، جاہ و منصب کبھی میری زندگی کا مقصد نہیں رہا۔ میں نے کبھی اس کی پروا نہیں کی، میرا مقصد ہمیشہ خدمت علم و دین رہا ہے۔ اس بناء پر میں نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ مجھکو ہندوستان میں رہنا ہے اور جو کچھ میں کر سکتا ہوں وہ یہیں رہ کر کرنا ہے۔ مولانا نے میری یہ باتیں بڑی دلچسپی اور ہمدردی سے سنیں اور پھر بولے: مگر اب تو ہندوستان میں مسلمانوں کے حالات بہتر ہیں وہ پہلے سی بات نہیں ہے" میں نے کہا: جی ہاں! بجا فرمایا آپ نے مسلمانوں میں اب انتشار ذہنی اور پراگندگی خاطر نہیں ہے، لیکن اب اون کے سینکڑوں تعمیری اور تنظیمی مسائل ہیں جن میں اون کو رہنمائی کی شدید ضرورت ہے۔ مولانا یہ سنکر خاموش ہو گئے۔ پھر ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کا ذکر آیا تو اس سلسلہ میں انہوں نے بہت اچھی توقعات کا اظہار کیا اتنے میں نہایت مکلف چائے آگئی۔ مولانا کو بھی نیشنل اسمبلی کے اجلاس میں جانا تھا میں نے زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہ جانا، اور اجازت لیکر مولانا اور گورنمنٹ کی غیر معمولی مہمان نوازی اور اون کے الطاف و عنایات کا شکریہ ادا کر کے روانہ ہوا چلتے وقت مولانا نے اپنی انگریزی اور اردو تصنیفات کا ایک خوبصورت بنڈل میرے حوالہ کیا ان کتابوں کو میں نے ہندوستان آکر پڑھا اور محظوظ ہوا انمیں بعض کتابیں ادبی ہیں لیکن زیادہ تر مذہبی، دینی اور دعوتی ہیں جو جدید ذہن اور عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہیں۔ انگریزی کتابیں مولانا کی اردو کتابوں کے تراجم ہیں۔ نوجوان ذہن کو اسلام سے مانوس کرنے کے لئے یہ کتابیں یقیناً مفید ہوں گی ان کتابوں سے

اندازہ ہوا کہ مولانا جتنے بڑے خطیب اور مقرر ہیں اتنے ہی بڑے ادیب اور انشاپرداز بھی ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ۔

مولانا سے رخصت ہو کر گھر آیا۔ یہاں پروفیسر سعید الدین ڈار کی کار کے چوری چلے جانے کی وجہ سے ایسا مجبور رہا کہ نہ اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ جا سکا اور نہ اور احباب سے ملاقات کر سکا اور نہ تفریح کا کوئی پروگرام بن سکا۔ اسلام آباد میرا آنا اچانک ہوا تھا اس لئے کسی کو اس کی اطلاع بھی نہیں تھی۔ شب گذار کر دوسرے دن علی الصباح ڈار صاحب کی معیت اور اون کے ایک دوست کی کار میں ایرپورٹ آیا اور ہوائی جہاز سے لاہور کے لئے روانہ ہو گیا۔

آج کا دن پاکستان میں قیام کا آخری دن تھا۔ اس لئے میں گھر پر بال بچوں میں ہی رہا کہیں آیا گیا نہیں۔ الوداعی ملاقات کرنے کی غرض سے احباب اور اعزا انہیں آتے رہے ان میں اشرف صبوحی صاحب، ڈاکٹر عبادت بریلوی، لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید مولانا عبدالصمد صارم، اور بھی بہت احباب آئے جن کے نام محفوظ نہیں رہے ہندوستان سے ہلکا پھلکا سامان لیکر آیا تھا۔ لیکن یہاں۔ سامان۔ اور کتابوں کا انبار لگ گیا۔ میاں سلم نے شام سے ہی پیکنگ شروع کر دی تھی۔ دوسرے دن صبح کو ناشتہ سے فارغ ہو کر میاں اسلم کے والدین ماجدین چودھری محمد طفیل صاحب اور ان کی اہلیہ اور عزیزہ نسیم سلمہا جو اسلم کی اکلوتی بہن ہیں۔ اون کے پاس بیٹھا اور بات کی۔ یہ گھر کہنے کو رسمی طور پر سمدھیانہ ہے لیکن ان سب کو مجھ سے اور مجھکو اون سے ایسا تعلق خاطر اور ایسی محبت ہے کہ یہ گھر گویا حقیقی بھائی کا گھر ہے۔ اتنے میں ہمدرد دواخانہ کی کار آگئی، میاں اسلم، ریحانہ اور اون کے چاروں بچے ہندوستان کے بورڈر تک ساتھ آئے۔ ہندوستان کے وقت کے حساب سے ٹھیک ساڑھے نو بجے صبح کو گھر سے روانہ ہوا تھا اور ٹھیک نو بجے یعنی ساڑھے گیارہ گھنٹوں میں امرتسر فلائنگ میل کے ذریعہ نئی دہلی کے اسٹیشن پر پہونچ گیا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ لاہور دلی سے کتنا قریب ہے لیکن پاسپورٹ اور ویزا اور کرنسی کی دشواریوں کے باعث کتنا دور ہے۔ خدا کرے وہ دن جلد آئے جب یہ دشواریاں دور ہوں اور لوگ آسانی سے آجا سکیں ***